الایمان والاصلاح

شیخ یوسف القرضاوی

ترجمہ:- عبد الحمید صدیقی

قوموں اور جماعتوں کی اصلاح بغیر کسی اصول وضابطہ کے محض اتفاقات کے تھپیڑوں سے نہیں ہوجایا کرتی، جو قومیں گرنے کے بعد سنبھلنے اور اضمحلال کے بعد اپنے اندر قوت وتوانائی پیدا کرنے کی آرزومند ہوتی ہیں وہ اپنے سامنے تربیت واصلاح کا واضح پروگرام اور عزم رکھتی ہیں جن پر عمل پیرا ہوئے بغیر وہ رفعت اور سربلندی کا کوئی مقام حاصل نہیں کرسکتیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔ قرآن مجید میں اس اصول کی بڑے صاف الفاظ میں یوں نشاندہی کی گئی ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ — اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنی حالت خود نہ بدلے۔

مگر اپنی حالت کو بدلنے والی بات ہے بہت مشکل۔ دریاؤں کے رُخ بدلنے آسان ہیں، زمین کا سینہ شق کرنا اور پہاڑوں کے جگر چھید ڈالنا ممکن ہے مگر قلوب ونفوس کے اندر تبدیلی بہت ہی مشکل ہے۔ اس ناممکن کو ممکن بنانے والی قوت صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے ایمان کی قوت۔ علمائے نفسیات کا کہنا ہے کہ انسان کی تربیت واصلاح کا ایک معین وقت ہوتا ہے یعنی سن الطفولۃ اگر یہ وقت گزر جائے تو پھر تکوین عادات اور تہذیب واخلاق کی کوشش رائگاں جاتی ہے۔ اسی طرح وہ اس امر کو بھی بہت اہمیت دیتے ہیں کہ آدمی جس ماحول میں پیدا ہوتا، بڑھتا اور پروان چڑھتا ہے وہ بھی اس کے بناؤ اور بگاڑ کا بہت حد تک ذمہ دار ہوتا ہے۔ لیکن ہم جس قوت ایمانی کا ذکر کررہے ہیں اس کی معجزنمائی وکارفرمائی ہر آن مسلّم ہے۔ چاہے آدمی عمر کے کسی مرحلہ میں داخل ہو اور چاہے اس کے حالات اس کی تبدیلی کی راہ میں سنگِ گراں بن کر کھڑے ہوں ایمان کی ایک لہر ہی اس کے دل ودماغ کو بدل کر رکھ دیتی ہے۔

دربارِ فرعون سے وابستہ جادوگروں کی قلب ماہیت کو دیکھ لیجیے:

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗٓ اِنَّ هٰذَا
لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ۝ يُّرِيْدُ اَنْ
يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ
بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ۝
قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ
فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ۝
يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ۝
فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ
مَّعْلُوْمٍ ۝ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ
مُّجْتَمِعُوْنَ ۝ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ
اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ۝ فَلَمَّا
جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ
لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ۝
قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ
الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى
اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ۝ فَاَلْقَوْا
حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ
فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ۝
فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ
مَا يَاْفِكُوْنَ ۝ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ۝
قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ رَبِّ
مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ

فرعون اپنے گرد و پیش کے سرداروں سے بولا
یہ شخص یقیناً ایک ماہر جادوگر ہے اور چاہتا ہے
کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہارے ملک سے
نکال دے اب بتاؤ تم کیا حکم دیتے ہو۔ انہوں نے
کہا اسے اور اس کے بھائی کو روک لیجیے اور شہروں
میں ہرکارے بھیج دیجیے کہ ہر ماہر جادوگر کو آپ کے
پاس لے آئیں۔ چنانچہ ایک مقررہ وقت پر جادوگر
اکٹھے کر لیے گئے اور لوگوں سے کہا گیا کہ تم اجتماع میں
چلو گے شاید کہ ہم جادوگروں کے دین ہی پر رہ جائیں
اگر وہ غالب رہے۔ جب جادوگر میدان میں آئے
تو انہوں نے فرعون سے کہا ہمیں انعام تو ملے گا اگر ہم
غالب رہے اس نے کہا ہاں اور تم تو اسی وقت مقربین
میں شامل ہو جاؤ گے۔ موسیٰؑ نے کہا پھینکو جو تمہیں
پھینکنا ہے۔ انہوں نے فوراً اپنی رسیاں اور
لاٹھیاں پھینک دیں اور بولے فرعون کے اقبال سے
ہی غالب رہیں گے۔ پھر موسیٰؑ نے اپنا عصا پھینکا
تو یکایک وہ ان کے جھوٹے کرشموں کو ہڑپ کرتا چلا
جا رہا تھا۔ اس پر سارے جادوگر بے اختیار سجدے
میں گر پڑے اور بول اٹھے کہ مان گئے ہم رب العالمین
کو۔ موسیٰؑ اور ہارون کے رب کو۔ فرعون نے کہا
تم موسیٰؑ کی بات مان گئے قبل اس کے کہ میں تمہیں اجازت
دیتا۔ ضرور یہ تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے

قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۥ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ قَالُوْا لَا ضَيْرَ ۡ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۝ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ اَنْ كُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (الشعراء ۔ ۴۹ تا ۵۱)

اچھا ابھی تمہیں معلوم ہوا جاتا ہے ۔ میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کٹواؤں گا اور تم سب کو سولی چڑھا دوں گا ۔ انہوں نے جواب دیا کچھ پروا نہیں ہم اپنے رب کے حضور پہنچ جائیں گے ۔ اور ہمیں توقع ہے کہ ہمارا رب ہمارے گناہ معاف کر دے گا کیوں کہ سب سے پہلے ہم ایمان لائے ہیں

غور کیجیے ان کی شخصیات کیسے بدل کر رہ گئیں ۔ کتنا بڑا اصلاحی انقلاب آناً فاناً ان کے اندر برپا ہوگیا ۔ کہاں ان کی سوچ کا یہ انداز کہ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ (ہمیں انعام تو یقیناً ملے گا اگر ہم غالب رہے) اور کہاں یہ بلندیٔ فکر کہ لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ (ہم تجھے ہرگز ترجیح نہیں دے سکتے ان روشن دلائل پر جو ہمارے پاس آچکے) اور پہلی نیازمندی کے مقابلے میں ذرا بعد کی جرأت ایمانی کے تیور دیکھیے ۔ فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ (تو ہمارے خلاف جو بھی فیصلہ کرنا چاہتا ہے کر لے)۔

آج مغربی تاریخ دان حیران ہیں کہ باشندگانِ عرب جو بکریاں چرایا کرتے تھے قوموں اور ملکوں کے حکمران کیوں کر بن گئے ۔ بادیہ نشین تمدن و حضارۃ کے رموز کیسے پا گئے اور انہیں فتح و نصرت کا کونسا گر ہاتھ آگیا تھا کہ قیصر و کسریٰ کی باجبروت حکومتوں کے تختے الٹنے میں کامیاب ہو گئے ۔ لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں اور وہ راز بھی زیادہ دیر تک راز نہیں رہا بلکہ سرعیاں ہو چکا ہے ۔ عربوں کی کایا پلٹ دینے والی چیز اکسیر ایمان تھی جس کے ذریعے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کی زندگیوں میں محیر العقول انقلاب پیدا کیا ۔ اسی اکسیر کی بدولت ان کے حالات میں تغیر رونما ہوا، ان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کا پورا ڈھانچہ تبدیل ہوا ۔ بتوں کے پوجنے والے خدا پرست بن گئے اور جاہلیت کی تاریکیوں میں ٹھوکریں کھانے والوں کے سینے نورِ ایمان سے منور ہو گئے ۔

اقفالِ حیات کے لیے واحد کلید حیاتِ انسانی کا عظیم الشان قصر ہر طرف سے مقفل تھا اور اس کے دروا

ہونے کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ عقلِ انسانی مقفل تھی جسے حکماء و فلاسفر کھولنے سے عاجز تھے۔ ضمیرِ انسان مقفل تھا اور واعظین و مرشدین اس کا تالا توڑنے میں ناکام ہو چکے تھے۔ دل و دماغ مقفل تھے جنہیں حوادثِ زمانہ کے تھپیڑے سے تک کھول نہ سکے تھے۔ مواہب و عطایا مقفل تھے اور کوئی تعلیم و تربیت ان پر اثر انداز نہ ہو رہی تھی۔ مدرسہ مقفل تھا جسے کھولنے پر اساتذہ و علماء قادر نہ تھے۔ خاندانی نظام مقفل تھا اور اس کے آگے مصلحین و مفکرین کی کوئی پیش نہ چلتی تھی۔ قصرِ حکومت مقفل تھا جسے مظلوم عوام محنت کش کسان اور غریب مزدور اپنی متحدہ کوشش سے کھول نہ سکتے تھے۔ دولت مندوں کے خزانے مقفل تھے اور ان کے قفل غریبوں کی بھوک اور عورتوں اور بچوں کی برہنگی توڑ نہ سکتی تھی۔ عظیم مصلحین نے بارہا کوشش کی کہ ان تالوں کو توڑ دیا جائے تاکہ انسانیت کو زندگی کی حقیقی مسرتوں سے ہمکنار کیا جا سکے مگر بارہا انہوں نے منہ کی کھائی۔

حیاتِ انسانی کی اس مشکل کو بڑے بڑے دارالحکومتوں میں حل نہ کیا جا سکا۔ عظیم الشان یونیورسٹیاں اور درسگاہیں اس سے عاجز آگئیں تو اللہ کی رحمت کو جوش آیا اور ایک پہاڑ کی چوٹی پر ایک چھوٹی سی غار میں فروکش انسانیت کے ایک عظیم محسن کے ہاتھ پر اس مشکل کو آسان کر دیا گیا۔ اور تمام اقفالِ حیات کی کلید ان کی خدمت میں پیش کر دی گئی۔ یعنی ایمان باللہ والرسول والیوم الآخر کی شاہ کلید جس نے ایک ایک قفلِ حیات کو کھول دیا۔

اس کلید نے عقلِ انسانی کا قفل کھول دیا اور وہ انفس و آفاق میں اللہ کی بے شمار نشانیاں دیکھنے کے قابل ہو گئی اور شرک و بت پرستی کی برائی کو محسوس کرنے لگی۔ اس نے خوابیدہ ضمیرِ انسانی کا قفل کھول دیا اور وہ بیدار ہو گیا اور شعورِ حقیقت سے بہرہ ور ہو کر خوب و ناخوب میں امتیاز کرنے لگا۔ اس نے ان دلوں کے قفل کھول دیئے جو نہ کسی چیز سے عبرت پکڑتے تھے نہ زجر و توبیخ کا کوئی اثر ان پر ہوتا تھا اور نہ نرمی و رقت ان میں پیدا ہوتی تھی مگر ایمان باللہ کی کلید کے استعمال سے ان کے اندر خشوع و خضوع پیدا ہوا اور وہ حوادثِ روزگار سے عبرت پکڑنے لگے۔ کسی مظلوم کو دیکھتے تو اُن کے دل کے اندر ارتعاش پیدا ہو جاتا اور ضعیف و ناتواں پر نظر پڑتی تو جذباتِ رحم و شفقت سے مملو ہو جاتے۔ اس سے پہلے حیاتِ انسانی کا دامن اللہ کی عطا کردہ صلاحیتوں اور دیگر مواہب و قویٰ سے معمور تو تھا مگر یہ تمام استعدادیں مقفل تھیں۔ ایمان باللہ کی کلید نے یہ اعجاز دکھایا کہ انسان کی جملہ مخفی استعدادیں اجاگر کر دیں اور دیکھتے ہی دیکھتے بھیڑ بکریوں اور اونٹوں کے چرانے والے

اقوام وملل کے پاسبان بن گئے۔ نیابت الٰہی سے ہمکنار ہو کر عالم پر حکمرانی کرنے لگے اور جو قبیلوں کے سردار تھے وہ ممالک و دول کی قیادت وسیادت پہ فائز ہو گئے۔ اس کلید نے درسگاہوں اور دانشکدوں کے قفل کھول دیئے اور دنیا کو علم کے شرف سے آگاہی نصیب ہوئی اور عالم ومتعلم اور مربی ومعلم کے فضل وتفوق پہ رشک کرنے لگی۔ گھر گھر تدریس وتعلیم کی مسند بچھ گئی اور ہر بچے بوڑھے اور نوجوان کے لیے زیورِ علم سے آراستہ ہونا ضروری ٹھہرا۔ اسی کلید نے عدل وانصاف کے مقفل ایوان تک اہلِ عالم کو رسائی بخشی چنانچہ حکام قضاۃ عدل وانصاف اور پوری احساس ذمہ داری کے ساتھ اپنے فرائض ادا کرنے لگے اور مظلوموں اور ستم کشوں کے دن پھر گئے اور ظلم وجور سے معمور خدا کی خدائی، رحمتِ الٰہی کا گہوارہ بن گئی۔ اس کلید کے ہاتھ لگنے سے پہلے خاندانی نظام تہ وبالا تھا۔ بیٹا باپ کے حقوق پر دست درازی کر رہا تھا اور بھائی بھائیوں کو لوٹنے کے درپے تھا۔ مزید برآں خاندانی نظام کا یہ فساد معاشرہ تک متعدی ہو چکا تھا۔ آقا خادموں پر ستم توڑ رہے تھے اور بڑے چھوٹوں پر۔ ان حالات میں ایمان باللہ کی کلید نے ہر ایک کو دوسرے کے حقوق یاد دلائے اور ان کا تحفظ کرنا سکھایا، باہمی رحمت ومودت پر تعلقات استوار کیے۔ خدا کا خوف اور آخرت کی فکر دلوں پہ مسلط کی اور اس حقیقت کا گہرا شعور بخشا کہ آدمیت، انسانیت کے احترام اور انسانیت کی خدمت کا نام ہے۔ معاشرتی زندگی کی چولیں ڈھیلی ہو چکی تھیں انہیں پھر سے کس دیا اور معاشرہ میں عدل واخوت کی روح دوڑا دی، خیر خواہی وہمدردی کے جذبات پیدا کر دیئے۔ قوم کا سردار قوم کا خادم بن گیا اور امراء و اغنیاء نے اپنی دولت کا رُخ غربا ومساکین اور محروم لوگوں کی طرف پھیر دیا۔

قصہ مختصر یہ کہ افرادِ معاشرہ کی اصلاح کے لیے جتنا مؤثر کردار ایمان ادا کرتا ہے اور کوئی چیز نہیں کرتی لہٰذا جس طرح کلیدِ ایمان سے سینکڑوں سال پہلے معاشرہ مبدل بہ اصلاح ہو گیا تھا اسی طرح دورِ جدید کے تمام مشکل مسائلِ حیات کو بھی ایمان کی بنیاد پر حل کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ بات بالکل غلط ہے کہ جدید مسائلِ حیات کے لیے یہ قدیم کلید کارآمد نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ نہ مسائلِ جدید ہیں اور نہ ان کے حل کے لیے کسی جدید کلید کی ضرورت ہے کیونکہ ؎

زمانہ ایک حیات ایک کائنات بھی ایک
دلیل کم نظری قصۂ جدید وقدیم

زندگی کے مسائل جو آج سے ہزاروں سال پہلے تھے وہی آج بھی فکرِ انسانی پر مسلط جمائے ہوئے

ہیں۔ فرق جو کچھ پڑا ہے وہ صرف یہ ہے کہ یہ مسائل نئے رنگ میں سامنے آئے ہیں۔ آج سے ہزاروں سال پہلے انسان کو امن کی ضرورت تھی اور آج بھی انسان اس کا بشدت ضرورت مند ہے۔ آفاتِ ارضی و سماوی، دُکھ تکلیفیں اور بیماریاں پہلے بھی انسانوں کو لاحق تھیں اور آج بھی ہیں۔ انسان ایک دوسرے کے حقوق پر پہلے بھی ڈاکے ڈالتا تھا اور آج بھی اس تہذیب و تمدن کے روشن دور میں بھی یہ ڈاکہ زنی عام ہے۔ جھوٹ، مکروفریب، وعدہ خلافی و بدعہدی جیسے اوصاف رذیلہ اُس زمانے میں بھی انسان کے لیے مضر تھے جب وہ اُونٹوں اور گدھوں پر سواری کرتا تھا اور آج بھی جب کہ وہ کاروں اور جیٹ طیاروں میں سفر کرتا ہے ان کی مضرت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ ظلم و جور انسانوں کا انسانوں کے ہاتھوں استحصال پتھر کے زمانے میں بھی ہوتا تھا اور آج جب ایٹم کا دور ہے استبداد و استحصال پر مبنی کارروائیاں جوں کی توں ہیں۔ خدا کے خوف سے عاری لوگوں اور انبیاء و رسل کی تعلیمات سے انحراف کرنے والوں کی پہلے بھی کمی نہ تھی اور آج بھی کمی نہیں۔ مرد و عورت اور فرد و معاشرہ کے تعلقات میں عالمِ انسانی افراط و تفریط کا پہلے بھی شکار رہا ہے اور آج بھی شکار ہے۔ پس جب زندگی کے مسائل اپنی حقیقت کے اعتبار سے پرانے ہی ہیں تو کیا مضائقہ ہے اگر ان کا علاج بھی وہی اختیار کر لیا جائے جو صدیوں سے شافی ثابت ہو رہا ہے۔ یعنی اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ۔

صفتِ ایمان سے متصف افراد ہی درحقیقت اصلاح یافتہ افراد ہوتے ہیں جن سے صالح معاشرہ وجود میں آتا ہے اور صالح معاشرہ ہی اصلاحِ افراد کا بھی ضامن ہوتا ہے۔ اس طرح ایمان، افرادِ معاشرہ کو بیک وقت صالح و مصلح حیثیت دے کر معاشرتی زندگی کے اردگرد ایک زبردست حصار قائم کر دیتا ہے جو اس میں سے ایمان و اصلاح کے عنصر کو کبھی خارج نہیں ہونے دیتا۔

اِن گزارشات کا ماحصل یہ ہے کہ نوعِ بشری کے لیے واحد اور منفرد راہ نجات راہ ایمان ہی ہے۔ مسلمانوں کے لیے تو اس کی حیثیت رگِ جان سے بھی زیادہ ہے۔ اسی راہ پر چل کر وہ اپنے مقاصد کو حاصل کر سکتے ہیں اور اپنی امنگوں اور ارمانوں کو پورا کر سکتے ہیں۔ انہیں آخرت مطلوب ہو تو ایمان کی بدولت حاصل ہو سکتی ہے۔ دنیا مطلوب ہو تو اس کے حصول کا راستہ بھی یہی ہے۔ دونوں کی طلب ہو تو ایمان اس کی بھی ضمانت دے سکتا ہے۔ جہاں تک ایمان کے ذریعے اخروی سعادت کے حصول کا تعلق ہے اس امر کی وضاحت ہم کسی دوسرے موقع پر اُٹھا رکھتے ہیں۔

لیکن جہاں تک دنیا اور اس کے آمال و مقاصد کی تکمیل کا تعلق ہے اور جہاں تک دنیا میں حصولِ سعادت کا تعلق ہے اس مطالعہ کے دوران ہم پر یہ حقیقت منکشف ہو چکی ہے کہ یہ سب کچھ ایمان ہی کی بدولت ممکن ہے۔ اس کے علاوہ اس کی کوئی سبیل نہیں۔

اگر ہم انفرادی زندگی کی سعادت و خوش بختی کے طالب ہیں تو وہ اطمینانِ قلب کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی اور طمانیتِ قلب کا حصول ایمان کے بغیر کسی طرح بھی ممکن نہیں۔ اگر ہمیں طہارت و نظافت مطلوب ہو تو معلوم ہے کہ یہ چیز استقامت کے بغیر میسر نہیں ہوتی اور استقامت ایمان کے بغیر نہیں ملتی۔ اگر ہم اجتماعی استحکام و وابستگی چاہتے ہیں تو اس استحکام کے لیے مواخات ضروری ہے اور مواخات کے لیے ایمان ناگزیر ہے۔ اگر دشمن پر غلبہ و استیلاء اور فتح و نصرت ہمارا مقصود ہو تو نصرت بہادری سے، بہادری قربانی سے اور قربانی ایمان سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر ہمیں اقتصادی خوشحالی درکار ہے تو خوشحالی کوشش پیداوار کے بغیر اور پیداوار اخلاق کے بغیر اور اخلاق ایمان کے بغیر محض حکایت تشنہ و سراب ہے۔ اگر ہمیں صنعتی اور صنعیاتی ترقی مطلوب ہے تو ترقی اخلاص کے بغیر، اخلاص متعین مقصد کے بغیر اور زندگی کے کسی متعین مقصد کا ایمان کے بغیر تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ہم اپنی زندگی کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں تو اصلاح تزکیہ نفس کے بغیر، تزکیہ نفس عزمِ صمیم کے بغیر اور عزمِ صمیم ایمان کے بغیر ممکن نہیں۔ اگر ہم حکومتِ عادل چاہتے ہیں تو عدل، قانون کے بغیر، قانون زندہ قلوب و ضمائر کے بغیر اور زندہ قلوب و ضمائر ایمان کے بغیر ممکن نہیں۔

ایمان ہی قوتِ اخلاق اور اخلاق قوت ہے یہی روحِ حیات اور حیاتِ روح ہے۔ سرِ عالم اور عالمِ اسرار، جمالِ دنیا اور دنیائے جمال، نورِ راہ اور راہِ نور ایمان ہی ہے۔

ایمان مسافر کے لیے شگفتہ و شاداب وادی، ناخدا کے لیے روشن ستارہ، حیران و پریشان انسان کا رہنما، کارگہِ حیات میں جدوجہد کرنے والے کے لیے موثر ہتھیار، غریب الدیار کا رفیق اور وحشت زدہ کا انیس ہے۔ ایمان قوی اور زورآور کے لیے لگام اور ضعیف و ناتواں کے لیے سرمایۂ قوت ہے۔

ایمان جرأت و شجاعت پیدا کرنے والا، حیرت انگیز انقلاب برپا کرنے والا، بند دروازوں کو کھولنے والا، اور ہر چہار جانب رہنمائی کرنے والا روشن مینار ہے۔

ایمان ـــــ بجائے خود ایک کلمہ ہے لیکن حیاتِ انسانی کے لیے شاہ رگ، فرد کے لیے اطمینانِ قلب کا واحد سہارا اور معاشرے کے لیے ایک مضبوط بنیاد اور اساس تاکہ اس میں سکون و قرار پیدا ہو۔

ضبط و نظم پیدا ہو اور انسان بہتر اور شادکام زندگی گزارنے کے قابل ہو۔

اور ایمان سے ہماری مراد دینِ اسلام کا پیش کردہ ایمان ہے، قرآن و سنّت کا ایمان اور صحابہ و تابعین کا ایمان جو عرفانِ الٰہی، حُسنِ نیت و اعتقاد اور عملِ صالح سے عبارت ہے۔ وہ عقلی ایمان نہیں جو متکلمین کے ہاں ملتا ہے۔ نہ وہ روحانی ایمان جو اہلِ تصوف کا خاصہ اور نہ وہ خشک ظاہریت پہ مبنی ایمان جو جمود پرست فقہاء کے ہاں پایا جاتا ہے۔

ہمارا مطلوبہ ایمان محض ایک شعار اور دعوت ہی نہیں بلکہ وہ ایک مکمل اسلوبِ حیات ہے، فرد کے لیے بھی اور قوم کے لیے بھی۔ نہایت تیز روشنی ہے جو فرد کی دنیائے فکر و ارادہ کو منور کرتی ہے اور جب اس کی شعاعیں معاشرہ پہ پڑتی ہیں تو اس کی رگوں میں خونِ زندگی دوڑنے لگتا ہے۔ اس کے رگ و پے میں امن و عافیت سرایت کرتی چلی جاتی ہے۔ وہ مریض ہوتا ہے اور دوائے ایمان اسے شفایاب کر دیتی ہے بلکہ وہ مر چکا ہوتا ہے اور اکسیرِ ایمان اُسے حیاتِ نو بخش دیتی ہے۔ سچ ہے کہ ایمان رموزِ الٰہی کا راز داں ہوتا ہے وہ جب کسی چیز کو کہتا ہے ہو تو وہ وجود میں آجاتی ہے۔

حقیقی ایمان پوری زندگی پر اپنے نقوش و اثرات مترتب کرتا ہے اور اسے صبغۃ اللہ میں رنگ دیتا ہے۔ انسان کے افکار و نظریات، اس کے جذبات و اطوار سب اطاعتِ الٰہی اور بندگیٔ رب کا نقشہ پیش کرتے ہیں۔ زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہوتا جس پر یہ رنگ گہرا نہ ہو۔ صبغۃ اللّٰہ ومن احسن من اللّٰہ صبغۃً۔

وہ قوم جو ایمان سے منور زندگی بسر کرنا چاہتی ہے اسے اپنے جملہ اصول و مناہج تقاضائے ایمان کے مطابق بدلنا ہوں گے اور ہر اس چیز سے دست کش ہونا پڑے گا جو نورِ ایمان کا راستہ روکنے والی ہو۔ اگر کوئی قوم یہ قربانی نہیں دیتی مگر اسلام و ایمان کا دعویٰ کرتی چلی جاتی ہے تو اس کے اس دعویٰ کی کوئی حیثیت نہیں۔ یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔

اے اللہ! اُمتِ مسلمہ کی صراطِ ایمان کی طرف رہنمائی فرما۔ صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین۔ آمین ___ اِلٰہَ الحق! آمین۔